مولانا محمد امین اورکزئی

اُستاذنا المکرّم

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بیرون

۱۳۸۶ھ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا' غیب سے نیوٹاؤن کراچی میں آستانہ بنوریہ پر حاضر ہونے کے اسباب پیدا ہوئے اور وقت کی اس نادرۂ روزگار شخصیت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا جو بیک وقت قافلہ محدثین کے امیر، فقہائے وقت کے سرتاج، صلحائے عصر کے صدر نشین، جماعت علماء کے میر محفل، مجاہدین تحفظ ختم نبوت کے سپہ سالار اور تمام اہل حق کے سرگروہ تھے۔ پھر پورے گیارہ سال تک جو اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ ہے' اس آشیانۂ قدس سے وابستہ رہنے کے بعد ۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ کو اس نابغۂ وقت کے ظل عاطفت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہونا پڑا۔ آپ کی رحلت سے خرمنِ عقل پر بجلی گری اور گویا حاصل زندگی ہاتھ سے جاتا رہا:

ہر چہ از عقل فزوں شد ہمہ عمرم جو جو　　اندریں غارت غم جملہ بیک بار برفت

آتے وقت دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے چند مہینے قیام کی نیت کی تھی۔ مگر آنے کے بعد جمال یوسفی نے کچھ ایسا مسحور کیا کہ نہ وطن کا خیال رہا نہ گھر کا۔ نہ صحت کی فکر رہی نہ راحت کی:

صورتِ یوسف نادیدہ صفت میکردیم　　چوں بدیدیم زبان از سخن کار برفت

کراچی کی آہن خور آب وہوا نے اگرچہ سی سالہ جوانی میں شصت سالہ بوڑھا بنا کر رکھ دیا اور بجائے صحت کے مرض روز کا معمول بن گیا' مگر حضرت اقدس کی صرف چند لمحوں کی دید یہ سب کچھ بھلاتی رہی:

گر خونِ تازہ میرود زریش اہل دل　　دیدار دوستاں کہ ببینند مرہم ست

بدقسمتی سے یہ سہارا بھی بالآخر جاتا رہا اور اس محبوب از جان و جہاں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اچانک

اس ویرانہ میں ہمیں تنہا چھوڑ دیا، جس کی خاطر ہم اپنے درو دیار کو خیر باد کہہ کر غربت کو سینہ سے لگائے بیٹھے تھے۔ یہ بے کسی اپنا مقدر تھی، ورنہ حضرت تو مثالی مروت کے مالک تھے۔ کہنے والے نے شاید ہی ہماری حالت زار دیکھ کر کہا تھا:

میرا جی جلتا ہے اس بلبلِ بے کس کی غربت پر
کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

صادق ومصدوق ﷺ کا ارشاد ہے:

عش ماشئت فانک میت وأحبب من شئت فانک مفارقہ

جتنا چاہو جی لو، مگر تمہیں بہر حال مرنا ہے۔ اور جس سے چاہو دل لگالو، مگر تمہیں اس سے جدا ہونا ہے۔

ذاتی طور پر تحریک ختم نبوت کی کامیابی کے بعد فقیر کو برابر یہ اندیشہ لاحق رہا کہ حضرت اب جلد ہی ہمیں داغ مفارقت دینے والے ہیں، اس لئے کہ مقربین بارگاہ کے وجود مسعود سے عموماً جو اہم مقاصد وابستہ ہوتے ہیں، ان کے بر آنے کے بعد انہیں اس دنیا میں زیادہ دنوں تک رہنے کی زحمت نہیں دی جاتی۔ اسی پریشان کن احساس کا نتیجہ تھا کہ اس تحریک کی کامیابی پر مجھے وہ دلی سرور حاصل نہ ہو سکا جو امت مسلمہ کے ہر فرد کو حاصل ہوا تھا۔ اور یہ اسی طرح کا احساس تھا جو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آیت تکمیل دین کے نزول کے وقت حضور ﷺ کے مشن پورا ہونے کی وجہ سے ہوا تھا کہ اب حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔ تاہم یہ توقع بھی نہیں تھی کہ اس طرح اچانک ہمیں اس صدمۂ عظمیٰ سے دوچار ہونا پڑے گا، اور میر محفل کے اٹھ جانے سے دفعۃً یہ محفل ماند پڑ کر یوں قیامت صغریٰ قائم ہو جائے گی:

تھی کھٹک درد کی پہلے سے میرے دل میں مگر تم میرے پاس سے اٹھے کہ قیامت آئی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ رحلت فرما گئے ہیں، لیکن آپ کا مشن زندہ ہے اور آپ کا لگایا ہوا باغ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنا پھل پھول دیتا رہے گا، اور امت آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی رہے گی۔ جن صالح، جوان سال اور جوان ہمت حضرات کو اس گلشن کی آبیاری حوالہ کی گئی ہے، امید ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کی روحانی توجہ اور اپنے خلوص کی برکت سے اپنی ذمہ داری بطریق احسن پوری کریں گے۔ درس گاہوں، دار الاقاموں، کتب خانہ وغیرہ امور کا انتظام حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں فرمایا۔ اب تو نقشہ کچھ یوں ہے:

جام مئے لبریز ہے ساقی فقط مطرب نہیں گل کھلے ہیں باغ میں خالی ہے جائے عندلیب

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عمر کا ایک ثلث گزار کر اپنی نااہلی کی وجہ سے اگرچہ کچھ حاصل

تو نہ کرسکا' مگر دیکھا بہت کچھ۔ یہاں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے تبسم ولطافت کا، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے تفکر ورزانت کا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ادب واحترام کا، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے زہد وقناعت کا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت وثقاہت کا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی واستقامت کا، اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی جاذبیت وجامعیت کا عکس جمیل نظر آیا۔

ہم نے سیدی حضرت بنوری کی صورت میں ''بدر'' و''شہاب'' رحمۃ اللہ علیہما کو دیکھا کہ صحیح بخاری شریف کی مشکلات کی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ وطیبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حدیث شریف کے لطائف وطرائف بیان فرمارہے ہیں۔ مزی رحمۃ اللہ علیہ اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو پایا کہ رواۃ حدیث کے نام ونسب، طبقہ ورتبہ اور حالات وواقعات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ و عراقی رحمۃ اللہ علیہ کو پایا مصطلح الحدیث کے نوع بنوع مسائل پر تبصرہ فرمارہے ہیں۔ غزالی رحمۃ اللہ علیہ وشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نظر آئے جو دین کے اسرار ورموز سمجھا رہے ہیں۔ رازی رحمۃ اللہ علیہ وآلوسی رحمۃ اللہ علیہ نظر آئے کہ قرآنی حقائق ودقائق کا اظہار فرمارہے ہیں، جرجانی رحمۃ اللہ علیہ وزمخشری رحمۃ اللہ علیہ دکھائی دیئے جو قرآن حکیم کے وجوہِ بلاغت واعجاز سے پردے اٹھا رہے ہیں۔ راغب رحمۃ اللہ علیہ وابن اثیر دکھائی دیئے کہ غریب القرآن اور غریب الحدیث کی شرح فرمارہے ہیں۔

ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ وابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف فقہی مذاہب کا مقارنہ کرتے ہوئے پایا۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ وابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کو متفرق فقہی جزئیات وروایات کا استقصاء کرتے ہوئے دیکھا اور ملک العلماء کاسانی رحمۃ اللہ علیہ، طولانی مباحث کی تہذیب وتنقیح کرتے ہوئے نظر آئے۔

یہاں ہم نے ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ اور زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھا کہ عربی لغت کے اوابد وشوارد کا شکار کررہے ہیں اور ابوالعتاہیہ رحمۃ اللہ علیہ اور بوصیری رحمۃ اللہ علیہ بھی ملے جو اپنا ناصحانہ کلام اور عاشقانہ مدیح سنارہے تھے۔ ہم نے یہاں ابن ندیم رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتابیات پر محیر العقول عبور، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظر، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی سلامت فکر، رومی رحمۃ اللہ علیہ کی عقل ودانش، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے رنگِ اعتدال، ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی قوت استدلال، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر وتوسع اور کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تصلب اور تعقب کا مشاہدہ کیا۔ یہاں ہم نے جاحظ کی البیان والتبیین کی شستہ زبانی سنی اور اس میں ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ واحمد امین کی سلامت کی حلاوت کو پایا۔ یہاں ہمیں قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت، رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفقہ، محمودی رحمۃ اللہ علیہ کی عزم وہمت، انوری رحمۃ اللہ علیہ کا علم وتبحر، حسینی جذبۂ ایثار وحریت، اشرفی ورع ولطافت، کفایۃ اللّٰہی استحضار، اور عطاء الٰہی رعب وجلال کا حسین گلدستہ نظر آیا اور بلاشبہ

یت عالم کی صورت میں ایک عالم دیکھا:

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ آرائی نہیں اور نہ حدیث خواب ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی صحیفۂ کردار اور کتاب زندگی کے ہر صفحہ پر ان کمالات کی جھلکیاں باآسانی دیکھی جاسکتی ہیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سارے کمالات ایسے تھے، جن کا تعلق صرف مشاہدہ سے تھا۔ تحریر و تقریر کے احاطہ میں انہیں لانا ممکن ہی نہیں بلکہ بعض کا تو ادراک بھی نہ ہوسکا:

گر مصور صورت آں دلستان خواہد کشید — لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

ایں شرح بے نہایت کز حسن یار گفتند

حرفیست ازہزاراں کاندر عبارت آمد

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش — حمید ایں قصۂ عشق است درد فترنمی گنجد

قسام ازل نے ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو انتہائی فیاضی کے ساتھ ظاہری اور باطنی محاسن و کمالات سے نوازا تھا۔ ایک مرد کامل کے صفات میں سب سے اعلیٰ اور اہم وصف اخلاص وللّٰہیت سمجھا جاتا ہے کہ وہی مدار کار ہے۔ **الاللہ الدین الخالص** اور **انما الاعمال بالنیات** وغیرہ بکثرت نصوص اس سلسلہ میں وارد ہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتوں میں یہ وصف سرفہرست ہے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زندگی کا طرۂ امتیاز بھی **یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا** ہی رہا۔ **فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً مابلغ مد احدھم ولا نصیفہ** کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

اپنے مکرم و معظم شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صحیفہ زندگی کا جلی عنوان ہمیں یہی وصفِ اخلاص نظر آتا ہے، یہ جوہر آپ کے رگ و پے میں جاری و ساری تھا اور آپ کا ہر اقدام اور ہر فیصلہ اس جذبہ اخلاص کا نتیجہ ہوا کرتا تھا، اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی للّٰہیت کے قائل رہے اور فقیر کا تو اپنے گیارہ سالہ مشاہدات کی روشنی میں یہ عقیدہ رہا ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس وصف میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ الا ماشاء اللہ۔

دنیا کا معمول ہے کہ ہر کام کا' چاہے دینی ہو یا دنیوی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ حکومتیں ہوں یا ادارے یا اشخاص و افراد سب کے ہاں تکمیل مقاصد کے پروپیگنڈہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ تشہیر کے بغیر کسی کام کا تصور بھی اس دور میں نہیں کیا جاسکتا' لیکن یہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے کمال اخلاص کا نتیجہ تھا کہ آپ کو سب سے زیادہ نفرت نمود و نمائش سے تھی۔ مدرسہ عربیہ کی حیثیت اور خدمات سے کون ناواقف ہے۔ جس کا فیض صرف ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں جاری ہے' لیکن اس کے لئے آپ نے پروپیگنڈہ کے معروف

ذرائع کبھی استعمال نہیں کئے اور تو اور مدرسہ کی چار دیواری سے باہر آپ کو اس کا بورڈ تک بھی نظر نہیں آئے گا۔

ادارے کی ضروریات کے لئے اپیل یا بیان جاری کرنے کے بجائے ہمیشہ یہ فرمایا کہ ''یہ کام اسی کا ہے، تمام خزائن کے مالک وہی ہیں' عباد کے قلوب بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں، پھر ہم کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کیوں ذلت اٹھائیں؟''

ایسے موقع پر جب بعض احباب کی طرف سے اصرار ہوتا تو یہ پیارا جملہ زبان مبارک پر آتا: ''اسمعت من ناجیت''۔ بس جس کو سنانا تھا' سنا دیا اور جس کو بتانا تھا' بتا دیا اور اس اخلاص کا اثر تھا کہ آپ ہمیشہ اپنے رفقاء کار کو یہ تلقین فرماتے رہتے تھے کہ ہماری نگاہیں بجائے کم کے کیف پر مرکوز رہنی چاہئیں۔ آج کل معاش کا مسئلہ پورے بنی نوع انسان کے لئے سب سے بڑا دردِ سر بنا ہوا ہے۔ ہر شخص کو اس کی فکر ہے' حتی کہ بدقسمتی سے خالص دینی مناصب بھی اسی مقصد کے لئے استعمال ہونے لگے ہیں' لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صرف حیوانی مسئلہ سمجھا۔ ان کے نزدیک انسانیت کا مقام اس سے بہت بلند و بالا تھا کہ صرف خورد و نوش کو اس کا نصب العین بنایا جائے۔

تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر معمول تھا کہ حضرت شیخ طلبہ سے خطاب فرماتے' اس کا لب لباب یہی ہوتا تھا کہ آپ صرف رضائے الٰہی کو مقصد بنا کر پڑھیں' اس کے علاوہ اور کوئی غرض تمہارے سامنے نہ ہو۔ حتیٰ کہ علم برائے علم بھی مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ نہ خطابت و امامت وغیرہ دینی مناصب پیش نظر ہوں۔

حضرت کا یہ جملہ آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے جو کسی مہمان کے سامنے مدرسہ کا تعارف کراتے ہوئے آنجناب نے ارشاد فرمایا:

''نرید ان تکون مدرستنا هذه دار دین قبل ان تکون دار علم''

اس مختصر سے جملہ کے آئینہ میں حضرت کے قلبی احساسات اور ایمانی شعور کا عکس جمیل پورے آب و تاب کے ساتھ جھلک رہا ہے اور یہی وجہ تھی کہ اپنے ادارہ میں آپ سب سے زیادہ اہمیت و اولیت صلاح و تقویٰ کو دیتے تھے۔ آپ کا یہ مقولہ تو تقریباً تمام متعلقین کے حافظہ میں محفوظ ہوگا کہ ''ہمیں صالح غبی چاہئے غیر صالح ذکی نہیں۔'' اور کیوں نہ ہو، جب کہ مدرسہ کی تاسیس آپ نے اسی مقصد کے لئے کی تھی۔

خود فرمایا کرتے تھے کہ: بنگال میں علماء کے ایک اجتماع میں مدارس کے نصاب میں جدید علوم اور انگریزی داخل کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ بعض اکابر نے اس کی تائید کی' لیکن میں نے اس کے خلاف رائے دی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو کر اور اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر پوری قوت سے اذان کی طرح یہ جملہ دہرا رہا ہوں:

النجاۃ النجاۃ فی علوم المصطفیٰ سید السادات صلی اللّٰہ علیہ وسلم

الغرض آپ کا ہر قول وفعل اخلاص سے بھرپور ہوتا تھا اور دوسروں کو بھی بتاکید اس کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ کی دعوت یہ تھی:

دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو　　گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ　　اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

آپ کا فلسفہ یہ تھا:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا ہے اسے جسے اللہ مل گیا

دنیا کو دنیوی ذرائع سے بقدر کفایت کمانے کے آپ مخالف نہیں تھے، بلکہ اس پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ میرے طالب علمی کے زمانہ کے ایک فاضل رفیق جو روزگار کے سلسلہ میں قطر گئے ہوئے ہیں، گزشتہ سال تشریف لے آئے، بعد از عصر بوقت ملاقات حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا تعارف کرایا تو بجائے عتاب کے کافی دیر تک ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

اخلاص کے بعد دوسری اہم چیز ایمان واعتقاد کی دولت ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاص بھی ایمان ہی کی پختگی کا ثمرہ ہوتا ہے۔ ایمان کی اہمیت پر کچھ لکھنا شاید یہاں تحصیل حاصل سمجھا جائے۔

حضرت الاستاذ کی صحبت میں ہم نے کمالِ ایمان اور رسوخِ اعتقاد کے وہ مناظر دیکھے کہ جن سے اپنا کمزور ایمان بھی تقویت حاصل کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہمارے وہ احباب جنہیں حضرت الاستاذ سے شرف تلمذ حاصل ہے، گواہ ہیں کہ اثنائے درس حضرت والا جب فضائل وغیرہ سے متعلقہ احادیث پر کلام فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا دیکھ کر بتلا رہے ہیں۔ آپ کے لئے خبر گویا خبر نہیں رہی تھی، بلکہ افادۂ یقین میں مشاہدہ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور بارہا مسجد کے منبر پر بھی یہی کیفیت دیکھنے میں آئی۔ آپ کی قوتِ ایمانی کا کرشمہ تھا کہ سیاسیات سے الگ تھلگ رہ کر بھی آپ نے وقت کے ایک ایسے عیار ومکار حکمران کے ساتھ کامیاب مذاکرات کئے جس کی مکاری وعیاری بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی تھی اور بلا جھجک آپ نے ہر دور میں حق کا برملا اظہار فرمایا۔ مخاطب چاہے مرحوم جمال عبدالناصر جیسی دنیا کو ہلا دینے والی شخصیت ہو یا مرحوم فیلڈ مارشل محمد ایوب خان جیسے مقتدر حکمران۔

اخلاص وایمان کے بعد دینی نقطہ نظر سے حسن خلق کا نمبر آتا ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بایں الفاظ ظاہر فرمایا:

"انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق"

اورفرمایا:

"ان اقربکم الی یوم القیامة أحاسنکم اخلاقاً

قرآن کریم نے جہاں نماز کی تلقین کی، وہاں اس کا ثمرہ یہ بتایا:

ان الصلوٰة تنهی عن الفحشاء و المنکر

اورزکوۃ کے حکم کے ساتھ ساتھ بتلایا:

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها

جہاں روزے کا مکلّف بنایا وہاں روزے کی روح کی طرف بھی راہنمائی فرمائی:

لعلکم تتقون

جہاں حج کا ذکر کیا وہاں اس کی بھی صراحت فرمائی:

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج. وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ.

یہ چند اشارات اخلاق کریمہ کی اہمیت واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہمارے کریم النفس، عظیم المرتبت شیخ نوراللہ مرقدہ کے اخلاق فاضلہ نے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو محبوب خاص و عام بنایا تھا۔ ظاہری حسن و جمال بھی بلاشبہ آپ کا مثالی تھا، لیکن جو چیز دل و دماغ کو متاثر کر کے آپ کا غلام بنا دینے پر مجبور کرتی تھی وہ آپ کے اخلاق حسنہ اور مکارمِ شیم تھے۔ طہارت ونظافت، شرم وحیا، عفت وغیرت، جود وسخا، شہامت وبسالت، زہد و قناعت، جرأت واستقامت، کرم ومروت، علم وحلم، عفو وصفح، ورع وتقویٰ، صدق وصفا، لطف ووفاء، غنا واستغناء، خوش مزاجی وخوش گفتاری، دلداری وملنساری، قدردانی ورتبہ شناسی، الغرض فاضلانہ، کریمانہ اور مومنانہ اخلاق کی فہرست میں سے کوئی عنوان لیجئے، حضرت الاستاذ کی کتابِ زندگی میں اس کے گہرے اور واضح نقوش آپ کو نظر آئیں گے۔ ہر چیز اور ہر کام میں لطافت وسلیقہ، طہارت ونظافت کا خیال رکھنا آپ کا شعار تھا۔ تفصیل کے لئے تو دفتر درکار ہے۔

سلیقہ مندی کا اندازہ آپ اس چھوٹی سی مثال سے لگائیں کہ عمر بھر جو کتاب زیر مطالعہ رہی اس کی تجلید کی دوبارہ ضرورت پیش نہیں آئی۔

یارانِ محفل کو حضرت کی چائے نوشی کے وہ دقیق اصول یاد ہوں گے جن کی رعایت سالہا سال کے خدام بھی کما حقہ نہیں کر پاسکتے تھے۔

حیاوعفت میں بلاشبہ کان اشد حیاء من العذراء فی خدرها کی تصویر تھے اور حاشا للہ ما

علمنا علیه من سوء کی یوسفی شان کے عکس جمیل تھے۔ سادات کا جود ضرب المثل ہے آپ کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ دیکھتے ہی سیادت کا یقین ہو جاتا۔ شاید ہی کوئی آپ کے در سے مایوس گیا ہو۔ احتیاط کے باوجود برموقع ایسی فیاضی سے کام لیتے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اہل علم کا یہ مقولہ یاد آجاتا۔ کانت الدنا نیر فی یده کانها البعر ۔غیرت وبسالت میں اپنا جواب آپ تھے۔ دینی غیرت کا جذبہ آپ کے اندر ایسا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ جب بھی اور جہاں بھی کسی طرف سے حریم دین پر حملہ ہوتا تو آپ کے خون ہاشمی کا جوش دیدنی ہوتا تھا۔ بینات کے ''بصائر وعبر'' آپ کی غیرت وبسالت پر زندۂ وجاوید شاہدِ عدل ہیں۔

قادیانیت، پرویزیت اور دوسرے لادینی عناصر آج بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت وشہامت کی تلوار کے زخموں سے کراہ رہے ہیں۔ عصر حاضر کے علمائے حق کے زمرہ میں شاید ہمارے شیخ ہی وہ منفرد شخص تھے جس نے دین کے خلاف لکھنے، بولنے والے کسی بھی شخص کو معاف نہیں کیا۔ اپنا ہو یا پرایا، کبیر ہو یا صغیر۔ آپ کی دینی حمیت نے حرمات الٰہیہ کے انتہاک کے موقع پر کسی قسم کی مداہنت، مصلحت کوشی اور موقع پرستی کو گوارا نہیں کیا۔

آپ کی پوری زندگی زاہدانہ اور فقر وصبر کا مرقع رہی۔ فرماتے تھے کہ: شادی کے موقع پر صرف ایک جوڑا کپڑوں کا مالک تھا جو پہن رکھا تھا۔ اسی زہد وقناعت کا اثر تھا کہ ماحضر کچھ بھی ہوتا انتہائی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک وقت فاقہ کر کے سوکھی روٹی سے بھی وہ لذت حاصل ہوسکتی ہے جو مرغن اور پرتکلف کھانوں میں لوگ ڈھونڈتے ہیں۔ زندگی کے آخری سالوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر رزق لایحتسب کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ سب دوسروں کے لئے وقف تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان فقر اندرون پردہ جلوہ گر تھی۔

اخلاق ومرمت اس شان کی تھی کہ اپنا عزیز ترین وقت علمی کاموں میں عموماً اپنی مروت کے مقتضیات کو پوری کرنے کی وجہ سے صرف نہ فرما سکے۔ اکثر درس میں اس پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے:

لکل شیئی آفة وللعلم آفات ولعلمی آفات

آخری آفات کے مد کو خوب کھینچ کر ادا فرماتے تھے۔ ہر زائر وسائر کے ساتھ ان کی شایان شان ہی نہیں بلکہ برتر از شان برتاؤ کرنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اپنے گوناگوں اشغال واعذار کو بھی اس سلسلہ میں کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر حضرت والا نے بنفس نفیس خود ڈرگ کالونی کے اسٹیشن پر جا کر فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کا استقبال کیا، جبکہ ان دنوں دوسرے مشاغل کے علاوہ آپ کے گھٹنوں کا درد زوروں پر تھا، جس کے آپ مستقل مریض تھے۔ غناء نفس واستغناء کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ایک

ہی واقعہ کافی ہے کہ قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں جبکہ آپ کی مالی حالت کافی کمزور تھی، حکومت کی طرف سے آپ کو کسی عرب ملک میں سفارتی ذمہ داری سونپنے کی پیشکش ہوئی اور بعض اجلہ مشائخ (۱) نے ترغیب بھی دلائی، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے چٹائی کو کرسی پر ترجیح دیتے ہوئے پیشکش شکریہ کے ساتھ واپس کردی۔

مدرسہ کے معاونین میں سے کسی کے بارے میں اگر آپ کو محسوس ہوجاتا کہ یہ ہمیں ممنون سمجھ کر کچھ دے رہا ہے تو بلاتوقف اس کی امداد مسترد کردیتے تھے۔ چاہے کتنی ہی خطیر رقم کیوں نہ ہو۔ ایسے موقع پر گویا شاہ غلام علی مجددی دہلوی کا شعر حال دل کا ترجمان ہوتا تھا:

ما آبروئے فقر و قناعت نمے بریم　　با بادشاہ گوئید کہ روزی مقرر است

مدرسہ کی طرف سے کسی قسم کی اپیل اور سفیر کے نہ ہونے کا ایک سبب آپ کی یہی خودداری اور استغناء کا وصف بھی تھا۔ احباب واصحاب کے ساتھ آپ کے تعلقات کتنے مخلصانہ اور صدق وصفا کے حامل ہوتے تھے، اس کی شہادت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین کی زبانی خود ہی سن سکتے ہیں۔ اپنے مشاہدہ کی حد تک تو ہم نے حضرت والا کو بہ زبان حال یہ کہتے ہوئے پایا:

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اپنی شخصی عظمت کے باوجود تواضع وانکسار کا وصف بھی آپ میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا جو کہ ایک عالم ربانی کا امتیازی نشان ہوتا ہے۔ شخصی عظمت کے مینار کی بلندی کا تو یہ حال کہ دیکھنے والے کے سر سے کلاہ گر پڑے اور خدا گواہ ہے کہ اب تک مشروع القاب کے ڈھیر میں سے ایسا کوئی لقب نہیں پاسکا جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بلند وبالا قامت کی شایان شان ہو۔ لقب کا ہر جامہ آپ کے قد کی بہ نسبت کوتاہ ہی پایا۔

ایام حیات میں جب بھی حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھنے بیٹھتا تو کسی موزوں لقب کا انتخاب میرے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن جاتا تھا اور لاچار ہوکر ''سیدی واستاذی'' جیسے عام الفاظ پر ہی اکتفا کرنا پڑتا۔ اب بھی جب حضرت کی عظمت کا تصور کرتا ہوں تو ہاتھوں میں ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے، قلم رکنے لگتا ہے اور حضرت والا کی شخصیت پر کچھ لکھنے کی جسارت پر شرمندگی اور ندامت محسوس ہوتی ہے۔ اسی تصور کی بناء پر مزارِ اقدس پر حاضری کے وقت بار بار یہ خیال ابھر آیا کہ اس چھوٹے سے گڑھے میں ہمارا وہ جلیل القدر شیخ کیسے چھپ گیا جو رشد و ہدایت کا آفتاب عالم تاب، عظمت وجلالت کا بلند بالا مینار، علم ومعرفت کا بحرِ بیکنار اور صبر واستقامت کا ہمالیہ تھا۔ عالم وارفتگی میں صاحب مزار رحمۃ اللہ علیہ کو اکبر کی زبان میں مخاطب بھی کیا:

---

(۱).....مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔ (مدیر)

پیمانۂ مئے غم سرشار و بہیشم کرد — رفتم سرِ مزارش در بیخودی و مستی
آہے زدل کشیدم گفتم کہ اے مہ من — بایں کمال و رفعت حیف است میل پستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونقِ گلستاں — در موسمِ بہاراں رنگِ چمن شکستی
آخر چہ پیشت آمد اے شمعِ محفلِ من — در گوشۂ نشستی وز انجمن گستی
اے برق وش چہ داری نیست بگورِ تیرہ — اے شعلہ روبخاکِ تربت چرا نشستی

اور تدفین کے وقت بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر ساتھیوں سے دل ہی دل میں یہ کہتا رہا:

مٹی میں کیا سمجھ کر چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

بہرحال اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود جب بھی کسی صاحبِ علم وفضل کا ورود ہوتا تو آپ کی متواضعانہ ادائیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی تھیں اور آپ عجز و نیاز کے پیکر نظر آتے۔ بسا اوقات وارد ین حضرات اور حضرت شیخ کے درمیان ثریٰ اور ثریا کی نسبت ہوتی تھی۔ مگر حضرت کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہوتا جیسا کہ اصاغر کا اپنے اکابر کے ساتھ ہوتا ہے۔ علمی کمال کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عظمت حق کا نقش دل پر ثبت ہوکر انسان اپنی خودی کو فنا کر دیتا ہے۔ عرفان حق حاصل ہو اور عجب و پندار بھی باقی رہے، یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ خود پسندی کے ساتھ معرفت حق کا حصول ناممکن ہے:

اہل ظاہر جس قدر چاہیں کریں بحث و جدال — میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

حضرت کے کمالات اور محاسن کا حیطۂ تحریر میں لانا تو درکنار مجھ جیسے حقیر کے لئے تو چشم تصور وادراک سے بھی ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ اپنے معاصرین کی حد تک بلا جھجک یہ کہوں گا:

ولو انني اقسمت ماكنت كاذبا — بأن لم ير الراؤون حبرا يعادله

یہ چند سطور روایتی ''مصری بڑھیا'' کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ ورنہ:

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

اور:

زوصفِ ناتمامِ ماجمالِ یار مستغنی است — بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

اللهم اغفرله وارحمه وارضه وارض عنه. اللهم نور مرقده ونضر وجهه وروح روحه وقدس سره واجعل قبره روضة من رياض الجنة' اللهم ارفع درجته واعل مقامه واكرم نزله ووسع مدخله' اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده وانفعنا بعلومه وفيوضه وافض علينا من بركاته فاطر السموت والارض انت ولي في الدنيا والاخرة، توفني مسلما والحقني بالصالحين وصلى اللّٰه تعالىٰ على صفوة البرية سيدنا مَحمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين وعلى من تبعه الى يوم الدين وبارك وسلم